دنیا کا آخری کونا

محمد جمیل اختر

مکان نمبر DPN 123/B، دھوک پونو، صادق آباد، راولپنڈی، پاکستان

''رکو آگے مت بڑھو۔''

دیکھو یہ دنیا کا آخری کونا ہے۔''

''ہوگا، میں کیا کروں تم نے کبھی سوچا میں کتنا دکھی ہوں، رگ رگ سے جیسے سانس نچڑ رہی ہو، جیسے حبس ہو آنکھیں بار بار آسمان کی طرف اٹھیں، لیکن بارش نہ ہو میں بھی تو بنجر زمین ہوں سو مجھے کیا کہ میں کہاں ہوں عرصہ ہوا میں نے یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ میں کہاں ہوں کبھی کبھی کیا ہوتا ہے کہ کوئی تازہ ہوا کا جھونکا آجاتا ہے لیکن وہ بھی کسی اور کو سیراب کرنے میں تو بس راہ کا مسافر ہوں دریا کنارے کھڑی وہ جھاڑی کہ جس کو کبھی کبھار پانی کی کوئی موج چھو کے گزر جائے اور تادیر اُس پر لرزاں طاری رہے سو میں بھی دیر تک لرزتا رہتا تھا اب وہ بھی نہیں۔ بھلے یہ آخری ہی کونا کیوں نہ ہو مجھے پروا نہیں۔

''رکو رکو دیکھو چھلانگ مت لگاؤ۔''

''ایک چھلانگ کی دوری پر ہے یہ ساری مشقت، پھر میں کہاں اور تم کہاں بلکہ یہ دنیا کہاں۔''

''ہوسکتا ہے مرنے کے بعد اور مشکل پڑ جائے کسے خبر۔''

ہائے ہائے یہ کیا کہہ دیا تم نے اب میں کہاں جاؤں۔''

''خدایا رحم کن بر من خدایا خدایا۔''

''میں کہاں جاؤں، عجب وحشت کا عالم ہے، یہ کیسی تنہائی ہے کہ بھری دنیا میں اکیلا ہوں، مجھے سب بھول گئے ہیں اتنا بھلا دیا ہے کہ میں یہاں پہاڑی پر چھلانگ لگانے آ گیا ہوں اور وہ بھی تم نہیں لگانے دے رہے مجھے مت روکو مجھے ڈراؤ مت، میرے دوست یہ شہر کتنا ظالم ہے اتنا ظالم کہ چالیس سال تک میں فٹ پاتھ پر سوتا رہا ہوں اور مجھے کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم ہمارے گھر میں رہ لو یہ دنیا کہ جس نے مجھے فٹ پاتھ سے زیادہ جگہ نہیں دی میں کبھی بھی حاسد نہیں رہا، لیکن جب کبھی ان محل نما کوٹھیوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیسے یہ سب کچھ بن گیا میں چالیس سال سے فٹ پاتھ پر ہوں۔''

محنت کیا کہا محنت؟

''مت سناؤ مجھے یہ کتابی باتیں محنت سے یہ ہوجاتا ہے محنت سے وہ ہوجاتا ہے میں ایک دن محنت نہ کروں تو فٹ پاتھ پر بھوکا مرجاؤں اور لوگ اٹھانے بھی نہ آئیں ہاتھ جو کالے سیاہ ہوگئے ہیں یہ محنت ہی کا نتیجہ ہیں اور یہ شکل کہ جسے میں نے ایک عرصے سے خود نہیں دیکھا، ذرا غور سے دیکھو میں کیسا ہوں؟

میں ساتویں میں تھا جب اپنے گھر سے بھاگ کر اس شہر میں آیا تھا مجھے شوق تھا اداکار بننے کا میں نہیں بن سکا، لیکن مجھ پہ اب یہ راز کھل چکا ہے کہ یہ کردار تو میں وہاں رہ کر بھی نبھا سکتا تھا تم تو جانتے ہو کہ میں شاعری کرسکتا ہوں اسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر میں نے کئی شعروں کے وزن درست کئے ہیں نظم اچھی کہہ سکتا ہوں، لیکن میری کئی نظمیں کوڑا کرکٹ میں چنے کاغذوں پر لکھی گئی تھیں کچھ وہاں فٹ پاتھ پر ہی بکھری پڑی ہیں کچھ آندھی طوفان میں اڑ گئی ہیں فٹ پاتھ کے دائیں جانب پلازہ میں جو ایک بڑی بڑی مونچھوں والے صاحب رہتے ہیں جو ایک ماہنامہ ادبی پرچہ بھی نکالتے ہیں۔

کیا کہا شہر کے مشہور شاعر اُداس چیچہ وطنی صاحب؟

آہ مشہور شاعر، اگرچہ کہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا، لیکن چونکہ اب میں دنیا کے آخری کونے پر ہوں سو اب میں بتا سکتا ہوں وہ ساری غزلیں میں ہی اُسے لکھ کر دیتا ہوں جو وہ اپنے نام سے پرچے میں چھاپتا ہے بھئی دو دن اچھا کھانا مل جاتا ہے ایک غزل آپ کو اس سے زیادہ کیا دے سکتی ہے ہاں بتایئے بتایئے؟

میری آنکھوں میں کتنے خواب تھے لیکن تمہیں معلوم ہے فٹ پاتھ پر بیٹھ بیٹھ کر لیٹ لیٹ کر کونسے خواب کونسی تعبیریں۔

''اب میں چھلانگ لگانا چاہتا ہوں ہٹ جاؤ۔''

ایک ناکام شخص آخر اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

''کیا کہا ناکام؟ تم بھی ایسا سمجھتے ہو تم نے تو میرے ساتھ ساری زندگی گزار دی تم تو ایسا نہ کہو۔

یاد رکھو میں ناکامی سے نہیں جارہا میں بس اُکتا گیا ہوں اِن روز وشب سے یہ کیا لوگ ہیں دن رات دولت دولت یہ کیا ہے آخر کون لوگ ہیں ہم۔ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کا سر پھاڑ دینے والے لوگ ، چالیس سال فٹ پاتھ پر رہ رہ کر اِن آنکھوں نے عجب تماشے دیکھے ہیں انسان بہت عجیب ہیں یقین مانو بہت عجیب ، یہاں سب ایک دوسرے سے دست وگریبان ہیں صرف ۲۳۴ سال انسانی تاریخ میں ایسے ہیں جن میں کوئی لڑائی کی خبر نہیں باقی ہر روز ایک ہی تاریخ دہرائی جاتی رہی ہے اور شاید دہرائی جاتی رہے۔

میں نے شاعری یوں بھی چھوڑ دی تھی کہ جب کبھی میں کوئی محبت بھرا شعر لکھتا تو میں کہتا یہ بات کتنی جھوٹی ہے ایک ایسے شخص سے جو فٹ پاتھ پر رہتا ہو بھلا اُس سے محبت کیوں کر ہوسکتی ہے سو میں شاعری سے بھی اکتا گیا بس یونہی رات گئے شعر کہتا ہوں لیکن لکھتا نہیں بھئی کیوں لکھوں کس کے لیے لکھوں۔

میں نے فٹ پاتھ پر گزارے چالیس سالوں میں شاید ہر کام کرلیا ہے، میں پلمبر، مکینک، ترکھان، خاکروب سب ہوں یہاں تک کہ ایک بار ایک سیٹھ کے کتے نہلانے کی ڈیوٹی بھی سرانجام دے چکا ہوں یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے اگرچہ کہ میرے پاس وقت نہیں لیکن میں پھر بھی تمہیں یہ قصہ سُنا دیتا ہوں کہ جب میں سیٹھ کے پاس پہنچا تو اُس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا تم نے کبھی پہلے کتے نہلائے ہیں۔

میں نے کہا، نہیں جی پر یہ کونسا مشکل کام ہے سیکھ لوں گا۔

اچھا پہلے تو تم نئے اور صاف کپڑے پہنو، یہ جاوید صاحب تمھیں تمہارا کام سمجھا دیں گے تم یقین کرو کتے نہلاتے ہوئے میں صاف کپڑے پہنتا تھا اور فٹ پاتھ پر پرانے، ہے نا عجیب بات، یہ دنیا ہے ہی عجیب تبھی تو میں چھلانگ لگانا چاہتا ہوں۔میں جب ایک پارک میں جوکر کی نوکری کرتا تھا تو سارا دن بچوں کے آگے ہنسنا ہوتا تھا جب آپ کا اندر رو رہا ہو، لیکن پھر بھی آپ کو ہنسنا پڑے تو یہ دنیا کے چند مشکل کاموں میں سے ایک ہے سو میں دو سال ہی میں تھک گیا۔

''تو تم اسی طرح جس طرح چالیس سال سے گزارہ کرتے آرہے ہو کرتے رہو۔''

اب وہ وقت نہیں رہا اب آپ فٹ پاتھ کے نیچے بھی محفوظ نہیں صبح سویرے میونسپلٹی والے آتے ہیں اور مار کر بھگا دیتے ہیں، فٹ پاتھ کے نیچے نشہ کرنے والے بھی تو بہت لوگ ہوتے ہیں اب ایسے لوگوں کی وجہ سے ہمیں بھی اپنا گھر چھوڑنا پڑا آج تو حد ہی ہوگئی میونسپلٹی والوں نے صبح سویرے ڈنڈوں سے حملہ کردیا میں نیند میں تھا اندھا دھند بھاگا کہ سڑک پر سے گزرتی ایک گاڑی سے ٹکر ہوگئی یہ دیکھو میرا بازو ٹوٹ گیا ہے پولیس پکڑ کرلے جاتی تو اور مار پڑتی اور اگر سرکاری اسپتال چلا جاتا تو انتظار میں عمر گزر جاتی، بس میں نے کہا اِس طرح جینے کا کیا فائدہ سو میں یہاں آگیا لیکن میں چھلانگ لگانے سے ڈرتا ہوں میں واپس جارہا ہوں اپنے گھر اپنے فٹ پاتھ پر میرا جب بازو ٹھیک ہوجائے گا تو میں پھر کہیں کتے نہلاؤں گا تو کہیں جوکر بن کر اُلٹی سیدھی حرکتیں کروں گا لیکن میں چھلانگ نہیں لگا سکتا.....آہ میں چھلانگ نہیں لگا سکتا۔

○○

دہلی کی آخری شمع

''دلّی کا یادگار مشاعرہ عرف دہلی کی آخری شمع'' مرزا فرحت اللہ بیگ (مرحوم) کے ادبی کارناموں میں سے ایک ہے۔مرزا صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے انقلابِ دہلی کے بعد انقلاب سے پہلے کی آخری جھلک سب کو کچھ اس انداز سے دکھائی کہ ایک جیتی جاگتی محفل آراستہ ہوگئی۔

مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین، صفحات: ۱۴۷، قیمت: ۴۵ روپے۔(ساتواں ایڈیشن)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی